بحث ونظر

جناح سے ضیا تک

ایک سوال اور اُس کا جواب

(ادارہ)

سوال :- عرض ہے کہ ترجمان القرآن کے فروری اور مارچ ۱۹۸۰ء کے دو شماروں میں منیر صاحب کی تصنیف "جناح سے ضیا تک" پر جناب کا تبصرہ میری نظروں سے گذر چکا تھا۔ اِس سے قبل ترجمان ہی کے دسمبر ۱۹۷۹ء کے پرچے میں بھی اس موضوع پر جناب کی تحریر میں دیکھ چکا ہوں۔ (مارچ ۸۰ء کے بعد کے تبصرے میں نہیں دیکھ سکا، جس کا اب مجھے افسوس ہو رہا ہے)۔ اِس وقت میں مذکرہ کتاب سے جسٹس منیر صاحب کے ایک سوال اور اُس سوال پر مولانا مودودی مرحوم و مغفور کے جواب کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جناب کی سہولت کے لیے کتاب کے صفحہ ۷۵ سے اصل عبارت نقل کر رہا ہوں:-

Q. If we have this form of Government in Pakistan (Treating non-Muslims as Zimmis), will you permit Hindus to have their constitution on the basis of their religion?

A. Certainly I should have no objection even if the Muslims of India are treated in that form of Government as shudras and and Malishes and Manu's laws are applied to them depriving them of all share in the Government and the rights of a citizen.

قطع نظر اس سے کہ یہ سوال تحقیقاتی کمیٹی کے دائرہ تحقیق میں آتا بھی تھا یا نہیں، اس کا جو جواب مولانا مرحوم کی طرف سے منسوب کیا گیا ہے، کسی ایسے شخص کے لیے ناقابل فہم ہے جو مولانا کی شخصیت سے واقف ہو اور جو ان کی تصانیف کا بغور مطالعہ کرتا رہا ہو۔ جناب کی علویم الفرصتی کا احساس رکھنے کے باوجود میں جناب سے وضاحت کرنے کی درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ ایک چھوٹے سے حلقہ احباب میں مولانا مرحوم کا جواب بڑی الجھن و پریشانی کا سبب بن گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر صحیح صورت حال سے آگاہ فرمائیں گے۔

جواب :- محترمی و مکرمی! السلام علیکم۔ گرامی نامہ ملا۔ آپ نے تحقیقاتی عدالت کی کارروائی کے ایک حصے سے جو تاثر لیا وہ بھی سامنے آگیا۔

کاش کہ آپ کے سامنے وہ پورا ماحول ہوتا جس میں متذکرہ کارروائی ہوتی تھی۔ اور سامنے کے ساتھ جو مواد چھپتا تھا، خصوصاً مولنا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ کے تفصیلی بیانات اور پھر ان کے بعد تحقیقاتی عدالت کی کارروائی پر شائع شدہ تبصرہ (از مرکز جماعت اسلامی) وغیرہ ساری چیزیں آپ کے سامنے ہوتیں۔ اب تو منیر صاحب کی چھاپی ہوئی ایک چھوٹی سی کتاب ہے، جس میں انھوں نے تمام باتیں اپنے نقطۂ نظر اور اپنی پسند کے مطابق مرتب کی ہیں۔

اُس وقت کی صورتِ حالات یہ تھی کہ اسلامی تحریک کی رَو آگے ہی آگے بڑھتی آرہی تھی ___ تحریک مطالبۂ دستور اسلامی، قرارداد مقاصد کا پاس ہونا، پہلی دستوری رپورٹ کا استرداد، ۱۹۵۱ء میں علماء کے متفق علیہ ۲۲ دستوری اُصولوں کا چارٹر، دوسری دستوری رپورٹ کے خلاف کامیاب مہم، یہ تھا ماحول جس میں لادینیت پسند طاقتوں کے لیے اضطراب بڑھ رہا تھا اور جمہوری لحاظ سے وہ بے بس ہو رہی تھیں۔ ایسے میں قادیانی مسئلے کے سہارے مارشل لا سنگین تانے نمودار ہوا، گرفتاریاں ہوئیں، سزائیں ہوئیں اور اضطرابات پنجاب کی تحقیقات کے لیے عدالت بیٹھی جس کا سربراہ ایک ایسا جج تھا جو پاکستان کے نمبر ایک سیکولرسٹوں میں سے بھی سرکردہ اور پُرجوش بلکہ جارحیت پسند تھا۔

تحقیقاتی عدالت کی کارروائی سے اصل قادیانی مسئلہ تو حل نہ ہوا، البتہ کچھ اور کام نکالے گئے اور غالباً وہی اصل مطلوب تھے۔

— ایک یہ کہ بہ حیثیت مجموعی طبقہ علما کو بدنام کیا جائے، انہیں ایک ایسا جذباتی گروہ ثابت کیا جائے جسے نہ داخلی مسائل کی باریکیوں کا علم ہے، نہ خارجی حالات کی نزاکتوں کا پتہ ہے اور نہ نفاذِ اسلام کا کوئی سائنٹیفک تصور حاصل ہے۔

— دوسرے یہ کہ اسلام کے نفاذ کے لیے جو مہم چل رہی ہے وہ اگر کامیاب ہو جائے تو ایک طرف ملکی حالات خراب تر ہو جائیں گے اور دوسری طرف خارجی تعلقات اور بھارتی اور دوسرے غیر ملکی مسلمانوں کے احوال بگڑ جائیں گے۔

یہ دو باتیں خاص طور پر اہم تھیں اور رپورٹ پر یہ چھائی ہوئی ہیں۔ رپورٹ کو پڑھ کر (اور ۵۳ء میں تو روزانہ کی کارروائی کو پڑھ کر) یہ بات الم نشرح تھی کہ تحقیقاتی عدالت کے گھیرے میں رکھ رکھ کر بڑے بڑے بھاری بھرکم علماء اور تحریکِ نظامِ اسلامی کو مارے گئے ہیں۔ چاروں طرف وہ عالم تھا کہ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی مرغ قبلہ نما بھی اپنے آشیانے میں نہ بچ سکا۔ پوری کارروائی ایک زہریلی کارروائی تھی۔

کارروائی سے غلط نتائج حاصل کرنے کے لیے کئی چیزیں ذریعہ بنیں۔ مثلاً ایک یہ کہ واقعاتی امور تک بحثوں کو محدود رکھنے کے بجائے نظریاتی اور فکری بحثیں چھیڑ دی گئیں۔ نظریاتی اور فکری بحثیں کسی کتاب کے لکھنے یا کسی جلسے کے منعقد ہونے سے ختم نہیں ہوا کرتیں اور نہ عدالتوں کی کارروائیاں ان کا تصفیہ کر سکتی ہیں۔ مگر تحقیقاتی عدالت نے فکری اور نظری بحثیں اُٹھا دیں اور ہر شخص کو جو سامنے آیا ان بحثوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ اس میں دو فائدے مطلوب تھے۔ ایک یہ کہ مختلف اصحاب تفصیلی بیان دیتے ہوئے مختلف باتیں کہہ دیں، اور دوسری یہ کہ کسی کی طرف سے کوئی غلط بات صادر ہو۔ بلکہ ایک تیسرا منشا بھی تھا کہ عدالتی بحثوں میں گھر کر کوئی شخص اپنے کسی سابق نظریے کو نئے قول سے منسوخ کر دے۔

عدالتی کارروائی میں توہینِ عدالت کا قاعدہ ایسا قاعدہ ہے کہ جج جو چاہے پوچھے یا کہے، آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن آپ بات کریں تو عدالت جہاں چاہے روک سکتی ہے۔ اگر براہِ راست طریق سے نہ روکے تو بات کرنے کرتے نیا سوال چھیڑ سکتی ہے کہ اچھا آپ اس بات کو جانے دیں، ذرا اس نئے سوال پر توجہ کریں۔ اور عملاً تحقیقاتی عدالت میں ایسا ہوا اور بار بار ہوا۔ ایک طرف گواہ کھڑا ہے جو عدالت کی صوابدید کا پابند ہے، دوسری طرف جج ہے جس پر گواہ یا سامعین کوئی حد نہیں لگا سکتے۔ اس غیر مساواتی صورت

میں علمی، نظریاتی اور فکری مباحث پر مناظرے کرنا ایک ایسی زیادتی تھی جو تحقیقاتی عدالت نے کی۔ پھر ستم ظریفی یہ کہ حسبِ ضرورت طنز و تعریض سے کام لیا گیا۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

"دُنیا کی ہر چیز بدل سکتی ہے۔ علماء کی رائے ایک دفعہ قائم ہو جانے کے بعد نہیں بدلتی"۔

(رپورٹ ص ۲۸۲)

"یہ واقعی ایک ایسی ریاست میں بڑی اطمینان بخش بات ہے جہاں فتوے اتنے ہی ضروری نظر آتے ہیں جتنی کہ توپیں اور ٹینک" (رپورٹ ص ۲۹۱)

اب ذرا اُس عدالتِ عالیہ کا اندازِ تحقیر بھی ملاحظہ ہو:

"فلاں" سرگودھا میں ایک بے حیثیت آدمی تھا، کوئی انکم ٹیکس نہیں دیتا تھا اور صرف ۲۰ کنال زمین کا مالک تھا"۔ (رپورٹ ص ۳۷۴)

"تبصرہ" کا اس پر نوٹ ملاحظہ ہو:۔

"کیا آدمی کی عزت و حیثیت ناپنے کا پیمانہ بس یہ ہے کہ آدمی انکم ٹیکس دیتا ہے یا نہیں اور کتنی زمین کا وہ مالک ہے"۔ (تبصرہ۔ ص ۲۸)

تحقیقاتی عدالت نے اپنے گواہوں کی نیتوں پر بھی حملے کئے ہیں۔ مثلاً:۔

"(فلاں) اپنا حلقہ اثر بڑھانے کی خاطر اس تحریک میں شریک ہو گیا"۔ (رپورٹ ص ۱۷۴)

اِس معزز و موقر عدالت نے تو غلط بیانی سے بھی کام لیا، لکھا ہے کہ:۔

"جماعتِ اسلامی کے مولانا مودودی اب تک یہ رائے رکھتے تھے کہ کبھی مسلم ریاست اگر کبھی وجود میں آئی بھی تو اس کی شکل غیر دینی ریاست کی ہوگی"۔

(رپورٹ۔ ص ۲۰۱-۲۴۳-۲۴۴)

اب سامنے رکھ لیجیے مولانا مودودی کے ہزارہا صفحوں پر پھیلے ہوئے لٹریچر اور تقاریر اور انٹرویوز کے مجموعوں کو، اور اس عدالتی قول کی تائید میں نکالیے کوئی جملہ!

معاف کیجیئے گا کہ تمہید اتنی طولانی ہو گئی۔ واضح یہ کرنا مطلوب تھا کہ تحقیقاتی عدالت کی عبا اوڑھے جسٹس منیر اسلامی نظام کی تحریک پر سیکولرازم کی طرف سے ایک بھرپور وار کرنے اٹھے تھے۔ اور فی الحقیقت اسی بھرپور وار کی ناکامی ہی نے بعد کے برسراقتدار لوگوں کا دماغ قدرے درست کیا۔ حتیٰ کہ

بھٹو صاحب کے قلم سے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ لکھا گیا۔ جسٹس منیر کا یہ وار نتیجے کے لحاظ سے جنگِ احزاب کی طرح کا تھا۔ یعنی اگر خدانخواستہ کامیاب ہو جاتا تو سب کچھ ملیامیٹ۔ اس کے غیر مؤثر ہونے کے بعد چھوٹے قد اور کم جرأت کے سیکولرسٹ رہ گئے۔ جسٹس منیر کی تو رگ رگ میں سیکولرازم کا عقیدہ سرایت کیے ہوئے تھا۔ اُس نے مرتے مرتے اپنی آخری ضرب لگانے کے لیے رپورٹ کا ملخص "فرام جناح ٹو ضیا" کے یک صد صفحات میں پیش کر دیا۔

ذرا خیال رہے کہ ایسا شخص عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور وہ مولانا مودودیؒ کی فکر پر ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق ایک فرضی سوال اُٹھا کر حملہ کرتا ہے۔ اسی کا جواب مولانا نے ان لفظوں میں دیا جن سے آپ کو پریشانی ہوئی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ کیسے جواب دے رہے ہیں اور کیسے پُرشرارت سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ اُنھوں نے کمزوری اور لجاجت دکھانے کے بجائے ڈٹ کے کھرا کھرا جواب دیا۔ یہ جواب جن اصحاب پر واضح نہیں ہو سکا، وہ ذرا "تبصرہ" کا اردو یا انگریزی ایڈیشن دیکھ لیں۔ اس کا یہ فقرہ آپ کی اوّلین توجہ کا مستحق ہے۔

"لیکن قوم اگر اس کے برحق اور بابرکت ہونے کا یقین رکھتی ہے تو اُسے دُنیا بھر کے ہوّے کتنے ہی دکھائے، ان ہوّوں سے کچھ کام نہ چلے گا"۔ (تبصرہ ص ۴۴!!)

واضح رہے کہ یہ الفاظ مولانا کے اس درجہ (APPROVED) ہیں کہ گویا انھی کے ہیں۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ مولانا کے نزدیک منیر صاحب اسلامی نظام کے قیام کے خلاف ہوّے دکھا کر ڈرا رہے تھے۔ اسی طرزِ فکر کا جواب دیتے ہوئے اُنھوں نے وہ پُرزور جملہ کہا کہ جس سے آپ کو اشکال محسوس ہوا۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ وہاں ایک مفروضہ خطرہ دلایا جا رہا تھا۔ اور مولانا نے اس مفروضہ خطرے کو بے معنی بنا دیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر آپ لوگ اسلام قائم کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ستارے ٹوٹ گریں گے۔ اس پر جواب دینے والا جواب دیتا ہے کہ اگر آسمان بھی ٹوٹ پڑے تو بھی ہم اسلامی نظام قائم کریں گے۔ اس میں زور اسلامی نظام قائم کرنے پر ہے، اس پر نہیں کہ آسمان ٹوٹ پڑے۔ بلکہ آسمان ٹوٹ پڑنے کی بات کا انداز یہ ہے کہ اے مخاطب! تم جو تاروں کے ٹوٹ گرنے کا اندیشہ کر رہے ہو وہ بے حقیقت ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ "تبصرہ" ہی میں سے مزید متعلقہ عبارت یہاں پیش کر دوں جس میں اُس حقیقت

کو آپ اور نمایاں دیکھیں گے جیسے میں نے عرض کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"دوسرا مسئلہ جسے اس رپورٹ میں ایک جگہ نہیں، جگہ جگہ چھیڑا گیا ہے اور بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی حیثیت کا مسئلہ ہے، کیونکہ رپورٹ کی شہادت کے مطابق سر ظفر اللہ خاں کی علیحدگی اور کلیدی مناصب سے قادیانی افسروں کو ہٹائے جانے کا مطالبہ اسی مسئلے پر مبنی ہے، اور اُس کی جڑ کاٹنے کے لیے اس کی جڑ کاٹنا ضروری ہے۔"

(تبصرہ - ص ۱۱۱)

چنانچہ رپورٹ میں عدالت کے ریمارکس کا خلاصہ یوں بیان ہوا ہے:۔

"وہ اِس کا یہ خوفناک نتیجہ ہمارے سامنے لا کر رکھتے ہیں کہ "پھر غیر مسلم بھی اپنے ہاں مذہبی حکومت قائم کریں گے اور اپنی مسلمان رعایا کو بھی پوزیشن دے کر انہیں حکومت میں حصہ لینے کے تمام حقوق سے محروم کر دیں گے۔" (رپورٹ ص ۲۱۲ تا ۲۱۴)

"بلکہ ہندوستان میں تو مسلمان شودر اور ملیچھ بن کر رہیں گے اور دُنیا کے دوسرے ملکوں میں ۳۰ کروڑ مسلمانوں کا کام بس لکڑیاں کاٹنا اور پانی بھرنا رہ جائے گا۔"

(رپورٹ ص ۲۲۸)

اور لیجیے :۔

"علما نے ہم سے صاف صاف کہہ دیا کہ اُن کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ مسلمانوں کا دوسرے ملکوں میں کیا حشر ہوتا ہے، بشرطیکہ اُن کے اپنے عقیدے[1] کا اسلام یہاں رائج ہو جائے۔ یہ بات کہتے ہوئے اُن کی آنکھوں میں آنسو تو کیا، ذرا سی جھجک تک نظر نہ آئی۔ اس کی محض ایک مثال امیرِ شریعت کا یہ قول ملاحظہ ہو کہ بقیہ ۴۶ کروڑ مسلمان (تعداد اُن کی اپنی دی ہوئی ہے رپورٹ) اپنی قسمت کی آپ فکر کریں۔" (رپورٹ ص ۲۹۹)

اِن اقتباسات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چیف سیکولرسٹ آف پاکستان کا حملہ اسلامی ریاست کے تصور پر کس درجہ شدید اور پُر جذبات تھا۔ اس پر "تبصرہ" میں پہلے تو مجملاً یہ کہا گیا ہے کہ "عدالت کے اپنے

---

[1] رپورٹ نگار کے ذہن کا یہ خاص رنگ ملاحظہ کیجیے۔

پھٹے کا اسلام بھی وہی کچھ ہے جو ملّا کے پھٹے کا اسلام ہے"۔ اس قول کی وضاحت کی گئی ہے۔ بعد ازاں غیر ملکی مسلمانوں کے سلسلے میں عدالت کے نقطۂ نظر پر بحث کی گئی ہے۔ اس بحث کے اقتباسات پیش خدمت ہیں:۔

"حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں رپورٹ کچھ اس قسم کا تصور پیش کرتی ہے کہ گویا دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کی پوزیشن مبادلے (EXCHANGE) کے اصول پر مبنی ہے کہ جو سلوک ایک مسلمان ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ ہوگا وہی اس کے بدلے میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم ریاستوں میں ہوگا۔ حالانکہ اجتماعی زندگی کے قوانین کو دیکھتے ہوئے یہ بداہتہً غلط معلوم ہوتا ہے اور عملی مشاہدات کے خلاف ہے۔ ہر ملک میں ہر عنصر آبادی کی پوزیشن اس کی اپنی ہی تاریخ اور اس کے اپنے ہی اجتماعی حالات سے متعین ہوتی ہے۔ ایک جگہ کے مسلمان اگر اپنے تاریخی و تمدنی حالات کے لحاظ سے گرے ہوئے ہوں تو ہیزم کش اور آب رساں ہی بن کر رہیں گے، خواہ مسلم ریاست میں غیر مسلموں کو آپ زرگر اور آبِ حیات نوش ہی کیوں نہ بنا کر رکھیں اور اس کے برعکس اگر کسی ملک کے مسلمان اپنی کوئی قومی طاقت اور وقعت رکھتے ہوں تو ان کی پوزیشن آپ کے کسی فعل سے کچھ بھی متاثر نہ ہوگی۔ ترکی میں عثمانی حکومت نے مدت ہائے دراز تک غیر مسلموں کو جو امتیازی مراعات عطا کیں ان کا کوئی بدلہ بھی مغربی قوموں کے غلام مسلمانوں کو نہ مل سکا اور آج مشرقی بنگال میں جو امن ہندوؤں کو حاصل ہے اس کا کوئی معاوضہ ہندوستان کے وہ مسلمان نہیں پا رہے ہیں جن کی کھیپ کی کھیپ ہر روز لُٹ کر آ رہی ہے۔ لہٰذا یہ مبادلے کا تصور محض ایک سطحی تصور ہے۔

پھر اندیشہ ہوتا ہے کہ ہمارے فاضل جج غالباً مذہب کو بھی ایک جنسِ مبادلہ سمجھتے ہیں کہ جہاں ہم نے اپنے مذہب پر عمل کیا اور بس دوسرے فوراً آستینیں چڑھا کر کہیں گے کہ اچھا اب ہم اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر دوسروں کو ان کے مذہبی رویے سے روکنا ہے تو ان کے ساتھ لین دین کا یہ معاملہ کر لو کہ آؤ بھائیو تم اپنا مذہب چھوڑ دو، ہم اپنے مذہب کو طلاق دیے دیتے ہیں۔"

("تنقیحات" ص ۱۱۱ تا ۱۱۴)

افہام و تفہیم کے لیے مزید یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"شہریت کے چند دستوری حقوق لے کر اگر کوئی آبادی وہ زندگی بسر کرے جو ہندوستان

میں مسلمان، امریکہ میں حبشی اور روس میں غیر اشتراکی لوگ بسر کر رہے ہیں تو اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ایک آبادی کو بہ پسند حقوق نہ ملیں مگر اس کی جان، مال، عزت، آبرو اور آزادیٔ عمل محفوظ ہے۔ سیاست کے سوا ہر شعبۂ زندگی میں اس کے لیے ترقی و خوشحالی کے سارے راستے کھلے ہوں۔ قانون کی نگاہ میں اس کے حقوق و واجبات دوسرے تمام عناصر کے بالکل برابر ہوں! اور انتظامی حکومت کے برتاؤ یا معاشرتی زندگی کے رویّے میں اس کو کہیں بے انصافی، امتیازی سلوک یا تذلیل و تحقیر سے سابقہ پیش نہ آئے۔"

ذرا آگے کا ایک اقتباس اور:۔

"مگر کارروائی اور بحث کی طنابیں کھینچتے کھینچتے اتنی دور جا پہنچی ہیں کہ اس تاریخی دستاویز کو پڑھ کر ہندو، عیسائی، اچھوت متوحش ہو جائیں گے کہ اب یہاں پاکستان میں ہماری پوزیشن یہ بننے والی ہے۔ پورا ہندوستان متوجہ ہوگا کہ اچھا اب یہ سلوک پاکستانی ہندوؤں کے ساتھ ہونے والا ہے۔ دنیا بھر کے ملک کان کھڑے کریں گے کہ مسلمان حکومت پاتے ہی اپنے زیر دست غیر مسلموں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کی تجویزیں سوچ رہے ہیں۔ اور ان تاثرات کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ علماء (اگرچہ یہ حلقہ ایسا ہے کہ اس کی عزت اور ساکھ ہر ایک کے لیے مباح عام ہے) خود اسلام اور اسلامی دستور بالکل بدنام ہو کر رہ جائیں گے اور پاکستان کے غیر مسلموں، ہندوستان والوں اور بین الاقوامی حلقوں کی طرف سے احیائے اسلام کی ہر کوشش کی مزاحمت ہوتی رہے گی۔" ("تبصرہ" ص ۱۱۷)

اِن طویل اقتباسات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ آپ کے حوالہ دیے ہوئے مختصر سے سوال کے پیچھے کیا طرزِ فکر چھپا ہوا تھا۔ اور اس کا اصل ہدف کیا تھا؟

واضح رہے کہ تبصرہ سے میں نے جو استدلال نقل کیا ہے، اُسے گواہ (چاہے مولانا مودودی ہوں) آزادی سے عدالت میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں، متعین سوالات کے متعین جوابات طلب کیے جاتے تھے اور بات کو کہیں بھی روک دیا جاتا تھا یا نیا مبحث چھیڑ دیا جاتا تھا۔

خلاصہ یہ نکلا کہ تحقیقاتی عدالت کے اُٹھائے ہوئے سوال کا مقصد ایک ہوا سامنے لانا تھا کہ اگر تم نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا اور ان کے افراد کو کلیدی مناصب سے ہٹایا اور پھر اس اصول کو دوسری

اقلیتوں پر نافذ کیا تو بس یوں سمجھو کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت آجائے گی۔ حالانکہ پاکستان میں ہندوؤں کے پورے تحفظ بلکہ ناز برداریوں کے باوجود بھارت کے مسلمانوں پر ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک مسلسل قیامت ہی گزر رہی ہے۔ اس تبصرے کے جواب میں مولانا نے وہ جواب دیا جس کے بارے میں آپ کو پریشانی ہوتی۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم نماز روزہ اس بنا پر چھوڑ سکتے ہیں کہ کسی دوسرے ملک کے مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا جائے گا؟ کیا قرآن پڑھنے سے اس اندیشے کی بنا پر باز رہ سکتے ہیں کہ کسی دوسرے ملک میں قرآن کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے گا؟

کیا ہم نفاذِ شریعت اور اجرائے حدود اور انسدادِ منکرات و فواحش کے احکام کی تعمیل اس خوف سے روک دیں گے کہ کسی دوسرے علاقے میں مسلمانوں کو پھانسیوں پر چڑھا دیا جائے گا؟

سوال کرنے والا ذہن غلبۂ اسلام چاہنے والا نہیں، بلکہ نفاذِ اسلام کو رد کرنا چاہتا ہے۔ اس نے سوال ایک اُلجھن پیدا کرنے کے لیے اُٹھایا ہے۔ اِس اُلجھن کا جواب دینے والے نے یک قلم صفایا کر دیا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو شودر اور ہیزم کش اور آب رساں بھی بنا دیا جائے (جو سراسر ایک غیر امکانی مفروضہ تھا) تو بھی ہمیں اسلامی ریاست قائم کرنی ہے اور اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا وہی مقام ہوگا جو خود خدا اور رسولؐ نے طے کیا ہے۔ مولانا مودودی اس کے بخلاف اگر کوئی گول مول بات کہتے تو اپنے مقصد کو سخت نقصان پہنچاتے اور اُس وقت اُن کے خلاف ایک زور دار ذہنی رَو اُٹھ کھڑی ہوتی۔

یہ جو آپ نے "شودر" اور "ہیزم کش" اور "آب رساں" کے انتہا پسندانہ الفاظ دیکھے ہیں۔ یہ مسند نشینانِ عدالت ہی کے استعمال کردہ تھے۔ وہ اگرچہ سوال مندرجہ میں بیان نہیں ہوئے، مگر کارروائی کی عدالتی فضا میں موجود تھے اور گواہ اُن سے آشنا تھا۔ لہٰذا اُس نے ان ہوّوں کو بے معنی بنانے کے لیے انہیں بھی اپنی گفتگو میں شامل کر لیا۔

آخر میں مَیں یہ کہوں گا کہ اگر یہ طویل عریضہ اطمینان کے لیے کافی نہ ہو تو ایک تو آپ تحقیقاتی عدالت میں مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے چاروں بیان پڑھیں، دوسرے تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ (جماعت اسلامی) ملاحظہ فرمائیں۔ یہ مطالعہ مفید رہے گا۔ (ادارہ)